﴿وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ﴾

نقشبندی سلسلہ کے اسباق کی ترتیب

از افادات

حضرت مولانا **پیر ذوالفقار احمد صاحب** نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

فہرست عناوین

شمار	عناوین	صفحہ
۱	اسباق کی ترتیب	۹۲
۲	اسباق فیوضات یا مشاربات	۹۴
۳	شیونات الٰہی	۹۴
۴	بات کے انداز مختلف	۹۵
۵	ایک مثال	۹۶
۶	ایک سوال	۹۷
۷	سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ	۹۹
۸	ذاتی تجربہ	۱۰۲
۹	وقت کے نبی کی تعلیم	۱۰۳
۱۰	سبب غم ہی سبب خوشی بنا	۱۰۳
۱۱	سبب صبر ہی سبب شکر بنا	۱۰۳
۱۲	ایک سوال	۱۰۵
۱۳	گارہویں سبق کی برکات	۱۰۵
۱۴	ایک بزرگ کا واقعہ	۱۰۷
۱۵	فنائے قلبی والے ایک بزرگ	۱۰۷
۱۶	دو باتیں	۱۱۰
۱۷	امام ربانی کا قول	۱۱۲

اللہ اللہ اللہ

اقتبــــاس

ایک ہوتی ہے بندے کی صفت ایک ہوتی ہے بندے کی شان،اب اس کو آسان لفظوں میں سمجھاؤں وہ یہ کہ ایک ہوتا ہے بندے کا حسن اور ایک ہوتا ہے بندے کا نخرہ،تو نخرے کو شان کہتے ہیں اور حسن کو صفت کہتے ہیں ﴿کُلَّ یَوْمٍ ھُوَفِیْ شَأْنٍ﴾ ہر دن اللہ کی ایک نئی شان ہے اس کے حسن کا نیا ایک رنگ ہے ایک نیا انداز ہے،اللہ اکبر!

آپ دیکھیں دلہن جب شادی کے بعد آتی ہے تو ابتدائی دنوں میں روز نئے سے نئے کپڑے بدل کر بن سنور کر تیار ہوتی ہے،کبھی اس رنگ کے کپڑے پہنتی ہے کبھی اس رنگ کے،کبھی ایسے بال بناتی ہے کبھی ایسے بناتی ہے،کبھی یہ چوڑیاں پہن رہی ہے کبھی وہ چوڑیاں پہن رہی ہے،ہوتی تو وہی ہے لیکن ہر دن نئے انداز سے تیار ہونے میں اس کے اندر ایک نئی کشش ہوتی ہے اسی لئے خاوند کو بھی ہر دن اسکے ساتھ ایک نئی محبت محسوس ہوتی ہے،تو جب دلہن کا ہر دن ایک نیا انداز ہے تو عاشق کا ہر دن محبت کا ایک نیا ولولہ ہوتا ہے،لہذا بالکل یہی کیفیت ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں ﴿کُلَّ یَوْمٍ ھُوَفِیْ شَأْنٍ﴾ کہ ہر دن میرے حسن کا ایک نیا جلوہ ہے اس کا مطلب یہ کہ عاشق کا ہر روز ایک نیا ولولہ ہے۔

﴿ازافادات﴾

حضرت مولانا **پیر ذوالفقار احمد صاحب** نقشبندی مجددی دامت برکاتہم

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

امابعد!

اَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ ☆ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلاَ تُبْصِرُوْنَ﴾

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلاَمٌ عَلٰی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن

اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ
اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَعَلٰی آلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍوَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

اسباق کی ترتیب

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں ''اللہ اللہ'' کے ذکر والے مراقبے پہلے ہیں پھر اس کے بعد تہلیل کے اسباق ہیں،مقصود یہ ہے کہ انسان ساری دنیا سے کٹ کر اللہ کی یاد میں ڈوب جائے اور پھر اللہ کا جو دھیان اس ذکر کے اندر رہتا ہے اس کی بھی نفی کر دی جائے تاکہ نفی کامل نصیب ہو جائے اسی لئے ہمارے پہلے سات اسباق مراقبے کے ہیں

پانچ لطائف عالم امر کے

دو لطائف عالم خلق کے

اس کے بعد پھر دو اسباق تہلیل کے ہیں

پہلا سبق تہلیل خفی حبس دم کہلاتا ہے،حبس دم کا مطلب یہ کہ انسان اپنی سانس کو بند کر لے اور بند کیفیت میں تصور کی زبان سے کم از کم اکیس مرتبہ **لاالٰہ الااللہ** کہے۔

پھر اس کے بعد تہلیل لسانی کا سبق ہے،

ہمارے پورے اسباق میں تہلیل کا سبق ہی ایسا ہے جو زبان سے کرنا ہوتا ہے مناسب آواز کے ساتھ لاالہ الااللہ، لاالہ الااللہ، لاالہ الااللہ تین ہزار پانچ ہزار دس ہزار مرتبہ مختلف حضرات کا مختلف معمول رہتا ہے، آج بھی ایسے لوگ ہیں جن کا روزانہ دس ہزار مرتبہ تہلیل کا معمول ہے اس طرح گویا سالک اپنی زندگی میں کروڑوں مرتبہ اپنے قلب پر لاالہ الااللہ کی ضرب لگاتا ہے اب سوچنے کی بات ہے کہ جس قلب پر کروڑوں مرتبہ لاالہ الااللہ کی ضرب لگ چکی ہو پھر موت کے وقت وہ دل اللہ کو کیسے بھول سکتا ہے،

تو پہلے سات اسباق اللہ اللہ کے،

پھر دو اسباق تہلیل کے، سات اور دو نو ہوگئے،

دسواں سبق مراقبہ احدیت کہلاتا ہے اور اس میں سالک کو فکر کا مراقبہ کرنا ہوتا ہے، یہ فنا کا سبق کہلاتا ہے، جنہوں نے اپنے لطائف پر خوب محنت کی ہو ان کو اس سبق کے اندر آکر فنائے کامل نصیب ہوتی ہے، یہ فنائے قلبی کہلاتی ہے، یہ فنائے قلبی وہ مقام ہے کہ جس میں سالک کے قلب میں ولایت کا نور متحقق ہوتا ہے یعنی آجاتا ہے، پھر آگے اس کو چمکانا ہوتا ہے، لیکن فنائے قلبی تک کام پہنچنے کے بعد بندہ ذکر کے اندر پختہ ہو جاتا ہے، اس کا دھیان ہر وقت اللہ کی طرف رہتا ہے، مراقبہ احدیت ایک پُل ہے شروع کے اسباق میں اور اگلے اسباق میں، یوں سمجھ لیں کہ جیسے ایک ہے پرائمری اسکول پھر اس کے بعد ہے ہائی اسکول تو اسی طرح مراقبہ احدیت سے پہلے سارے اسباق ذکر کے تھے، مراقبہ احدیت اور اس کے بعد اب فکر کے اسباق شروع ہوگئے، تو پہلے سات اسباق اللہ اللہ کے ذکر کے یہ پرائمری اسکول سمجھ لیں، پھر دو اسباق تہلیل کے یہ ہائی اسکول سمجھ لیں، اور پھر آگے فکر کے یہ گویا کالج یونیورسٹی کے سبق شروع ہوگئے اور آخر تک جتنی بڑی سے بڑی ڈگری ہے وہ اسی فکر کے طریق پر ملتی ہے۔

اسباق فیوضات یا مشاربات

مراقبہ احدیت کے بعد سالک اپنے تمام لطائف پر پھر مراقبہ کرتا ہے، تو گیارہواں سبق ہمارا ''مراقبہ لطیفہ ءقلب'' کا ہے، فرق کیا ہے پہلے میں اور گیارہویں میں؟ فرق یہ ہے کہ جب پہلا سبق شروع کیا تھا تو اس میں اللہ اللہ کا دھیان تھا، اب جب قلب پہ مراقبہ کریں گے تو اللہ اللہ کا دھیان نہیں ہوگا بلکہ یہ نیت کریں گے کہ ''الٰہی! تجلیات افعالیہ کا جو فیض آپ نے نبی علیہ السلام کے لطیفہ ءقلب سے حضرت آدم علیہ السلام کے لطیفہ ءقلب میں القاء فرمایا تھا پیرانِ کبار کے واسطے سے میرے لطیفہ قلب میں بھی القاء فرما'' تو اب گویا اس قلب کے اوپر تجلیات افعالیہ کا نور آپ لے رہے ہیں۔

شیونات الٰہی

اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات ہیں اسکی شیونات ہیں اور اس کی ذات ہے یہ الگ الگ چیزیں ہیں، صفات تو آپ سمجھتے ہی ہیں کہ صفات کیا ہے ایک ہوتی ہے بندے کی صفت ایک ہوتی ہے بندے کی شان، اب اس کو آسان لفظوں میں سمجھاؤں وہ یہ کہ ایک ہوتا ہے بندے کا حسن اور ایک ہوتا ہے بندے کا نخرہ، تو نخرے کو شان کہتے ہیں اور حسن کو صفت کہتے ہیں ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾ ہر دن اللہ کی ایک نئی شان ہے اس کے حسن کا نیا ایک رنگ ہے ایک نیا انداز ہے، اللہ اکبر!

آپ دیکھیں دلہن جب شادی کے بعد آتی ہے تو ابتدائی دنوں میں روز نئے سے نئے کپڑے بدل کر بن سنور کر تیار ہوتی ہے، کبھی اس رنگ کے کپڑے پہنتی ہے کبھی اس رنگ کے، کبھی ایسے بال بناتی ہے کبھی ایسے بناتی ہے، کبھی یہ چوڑیاں پہن رہی ہے کبھی وہ چوڑیاں پہن رہی ہے، ہوتی تو وہی ہے لیکن ہر دن نئے انداز سے تیار ہونے میں اس کے اندر ایک نئی کشش ہوتی ہے اسی لئے خاوند کو بھی ہر دن

اسکے ساتھ ایک نئی محبت محسوس ہوتی ہے، تو جب دلہن کا ہر دن ایک نیا انداز ہے تو عاشق کا ہر دن محبت کا ایک نیا ولولہ ہوتا ہے، لہذا بالکل یہی کیفیت ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ﴾ کہ ہر دن میرے حسن کا ایک نیا جلوہ ہے اس کا مطلب یہ کہ عاشق کا ہر روز ایک نیا ولولہ ہے، اللہ کے جلووں کی انتہاء نہیں تو عاشق کے ولولوں کی بھی انتہاء نہیں، اسلئے اسکو ہزار سال زندگی کے دیں تو ہر دن اس کی محبت میں ایک نئی مستی ہوتی ہے، ایک نئی چاہت ہوتی ہے، اللہ والوں کو زندگی کے پچاس سال ملیں، سو سال ملیں پھر بھی کوئی تھکا نظر نہیں آیا کہ میں تھک گیا ہوں، وہ بیمار ہو جائیں گے مریض ہو جائیں گے معذور ہو جائیں گے لیکن آج تک کوئی ایسی مثال نہیں ملی کہ کسی اللہ والے نے کہا ہو کہ میں اب عبادت کر کر کے تھک گیا ہوں، کیوں؟ اسلئے کہ جب محبوب کا روز ایک نیا انداز ہے، تو پھر عاشق کا جوش بھی روز نیا ہوتا ہے، اسلئے سالک کا جوش آخری دن تک روز نیا ہوتا ہے، اسمیں تھکتا نہیں کوئی۔

اس لفظ شان کی جمع شیونات ہے، تو گویا تین چیزیں ہوئیں اللہ کی صفات، اللہ کی شیونات اور اللہ کی ذات، یہ تین چیزیں الگ الگ ہیں اور یہ جو ہم دوبارہ سبق شروع کرتے ہیں اس میں مختلف اسباق میں مختلف تجلیاں وارد ہوتی ہیں، تو لطیفہ قلب جو گیارہواں سبق ہے اس پر تجلیات افعالیہ کا ورود ہوتا ہے، تجلیات افعالیہ سے کیا مراد ہے؟ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ہے، پوری کائنات میں فاعل حقیقی وہی ہے۔

بات کے انداز مختلف

دیکھیں بات کرنے کے تین انداز ہوتے ہیں

......(۱) انسان عمل کی طرف نسبت کر دیتا ہے،

......(۲) انسان اپنی طرف نسبت کر دیتا ہے

......(۳) اور کبھی انسان اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر دیتا ہے بات کرنے کے یہ تین ہی انداز ہیں،

☆ کبھی تو عمل کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے، جیسے بندہ کہتا ہے جی اس کی بداعمالیاں اسے لے ڈوبیں، تو اس فقرے میں عمل کی طرف نسبت ہو گئی۔

☆ اور کبھی بندے کی طرف نسبت کر دی جاتی ہے کہ اس نے تو اپنے پاؤں پر کلہاڑیاں ماریں، تو اس فقرے میں نسبت بندے کی طرف ہو گئی۔

☆ اور تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر دی جائے کہ بس اللہ نے اس کا کا بیڑا غرق کر دیا تو اس فقرے میں نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو گئی۔

قرآن مجید میں یہ تینوں مثالیں موجود ہیں عمل کی نسبت بھی موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ لگا دیا تو نسبت اعمال کی طرف ہو گئی، کہیں اللہ تعالیٰ نے بندے کی طرف نسبت کر دی چنانچہ فرمایا ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ اللہ نے تو ظلم نہیں کیا لیکن انہوں نے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری اپنی جانوں پر خود ظلم کیا اور کہیں اللہ تعالیٰ اپنی طرف نسبت فرما لیتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں ﴿كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ﴾ اللہ اکبر! کیا شاہانہ انداز ہے گفتگو کا، آیت کو پڑھتے ہیں تو دل کانپتا ہے کہ کس شہنشاہ کا یہ کلام ہے، تو اب اللہ تعالیٰ اپنی طرف نسبت فرما رہے ہیں تو تینوں طرف نسبت کے انداز ہوتے ہیں اس کائنات میں جو بھی ہو رہا ہے ظاہر میں ہم کر رہے ہیں مگر ان کے پیچھے فاعل حقیقی اللہ کی ذات ہے۔

ایک مثال

اسکی مثال آپ یوں سمجھیں کہ جب ہم بچپن میں تھے تو پتلیوں کا تماشہ ہوا کرتا تھا تو ایک مرتبہ مجھے بھی دیکھنے کا موقعہ ملا کہ میرے بڑے بھائی کہنے لگے کہ تو

نے تماشہ دیکھا؟ میں نے کہا مجھے تو پتہ نہیں، کہنے لگے آؤ تمہیں لے جاؤں، تو ہم نے دیکھا کہ ایک پردہ تھا اور پردے کے آگے اسٹیج بنا ہوا تھا اور اسٹیج کے اوپر چھوٹے چھوٹے لکڑی کے بنے ہوئے بندے بندیاں تھے جو بھاگ رہے تھے دوڑ رہے تھے باتیں کر رہے تھے تو میں تو بہت ہی چھوٹا تھا شاید چار یا پانچ سال کی عمر ہوگی، تو میرے لئے تو یہ ایک نیا جہان تھا تو میں تو غور سے انکو دیکھتا رہا کہ یہ چھوٹے سے بندے کیسے بولتے ہیں اور وہ پتلیاں کھیل رہی تھیں اور میں اس وقت سوچ رہا تھا کہ ان کے دانت آئے یا نہیں؟ خیر جب وہ کھیل دیکھا تو ہم تو یہی سمجھتے رہے کہ بھئی یہ خود ہی دوڑتی ہیں بھاگتی ہیں بعد میں پھر بڑے بھائی نے سمجھایا کہ بات ایسی نہیں ہے بلکہ یہ تو بے جان تھیں، چونکہ میں نے ان سے پھر یہ سوال پوچھا تھا کہ بھائی جان یہ کھاتی کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ نہیں یہ تو بے جان تھیں اور انکی ایک تار تھی جو تمہیں اندھیرے کی وجہ سے نظر نہیں آ رہی تھی اور پردے کے پیچھے ایک بندہ بیٹھا ہوا تھا اس کے ہاتھ میں کنٹرول تھا وہ جس کو چاہتا تھا بھگاتا تھا، رلاتا تھا، ہنساتا تھا، بات کرتا تھا اور آواز خود ہی نکالتا تھا تو ہمیں اس سے یہ اندازہ ہوا کہ بھئی یہ اس زمانہ میں ایک کھیل تماشہ تھا، وہ کھیل ابھی بھی ذہن میں آتا ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ یہ دنیا میں جو بھی کچھ ہو رہا ہے اس میں ہماری حیثیت پتلیوں ہی کی مانند ہیں اور پیچھے فاعل حقیقی اللہ رب العزت کی ذات ہے، وہ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہے جو چاہتے ہیں کرتے ہیں۔

ایک سوال

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو گناہ کرنے پر بندے کی پکڑ کیسے؟ اور نیکی کرنے پر جنت کیسے؟ کیونکہ کر تو اللہ رہے ہیں اس کی مثال ایسے ہے کہ جیسے ایک بندے کے پاس ایک ٹوکری پھولو کی اور ایک گوبر کی بھری ہوئی ہے، اب ایک پہلوان اس کو کہتا ہے کہ بھئی تم ان

میں سے پسند کر لو جو تم پسند کرو گے میں اٹھا کر تمہارے سر پر رکھ دوں گا وہ انتخاب گوبر کی ٹوکری کا کرتا ہے تو پہلوان ہمیشہ یہی کہتا ہے کہ میں نے اس کے سر پر گوبر کی ٹوکری رکھی لیکن لعن طعن جب کیا جائے گا تو پہلوان کو نہیں کیا جائے گا بلکہ اس بندے کو کیا جائے گا کہ تو نے پھول کیوں نہ اٹھائے؟ تو ہی گوبر اٹھا کر لے آیا یہی بندے کی مثال ہے کہ نیکی اور برائی کی نیت بندہ کرتا ہے پھر کرنے کی توفیق اللہ تعالیٰ اس کو دیدیتے ہیں تو اسلئے خیر اور شر کا جو بھی کام ہو رہا ہے وہ اللہ ہی کے اذن سے ہو رہا ہے اس کی اذن کے بغیر کسی درخت کا پتہ نہیں ہل سکتا مگر نیک بندے کو جنت ملے گی اسلئے کہ اس نے نیکی کو پسند کیا اور برائی کرنے پر دوزخ ملے گی اسلئے کہ اس نے برائی کا ارادہ کیا؟ عمل کی توفیق تو اللہ دینے والا ہے توفیق تو منجانب اللہ ہوتی ہے اسلئے کہا ﴿وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے اسلئے مؤمن کو چاہئے کہ وہ خیر کی نیت رکھے نیکی کی نیت رکھے اور نیکی کے کام کرے، اب فاعل حقیقی تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے اور ہم اس عالم اسباب میں ہیں، ہمیں یہاں اسباب سے کام ہوتا نظر آتا ہے، جب کہ حقیقت میں مسبب الاسباب کر رہا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ٹونٹی کو کھولیں تو پانی آتا ہے اب دیہاتی بندے نے پہلی دفعہ ٹونٹی دیکھی پانی آنے لگا تو اس کا جی چاہا کہ یہ میرے گھر میں بھی لگی ہوتی! اسکو کیا پتہ کہ وہ ٹونٹی سے پانی نہیں آ رہا بلکہ اس کے پیچھے ایک پورا سسٹم ہے پمپ لگا ہے ایک ٹینک بنی ہے اس میں سے آ رہا ہے۔

ایک مرتبہ آ رہے تھے حج کی فلائٹ تھی تو ایک بڑے میاں بھی ساتھ والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے تھے بڑے میاں بار بار سیپ لگا ہوا بٹن دباتے تھے ملازمہ آجاتی تھی تو بڑے میاں بڑے حیران ہوئے تو انہوں نے آنٹی سے پوچھا یہ بٹن کیسا ہے؟ اس نے کہا بابا جی آپ جب بھی دبائیں گے تو میں آجاؤں گی بابا جی کہنے لگے پھر تو میں گھر میں بھی لگواؤں گا، تو مطلب کہنے کا یہ ہے کہ ہمیں ٹونٹی

سے پانی نظر آتا ہے ٹونٹی کے پیچھے ایک مستقل نظام ہوتا ہے اسی طرح ہمیں اس دنیا میں اسباب سے کام ہوتے نظر آتے ہیں وہ اسباب سے نہیں ہو رہے ہوتے ان کے پیچھے مسبب الاسباب ہوتے ہیں جو وہ کام کر رہے ہوتے ہیں۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ

چنانچہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ ایک مرتبہ کوہ طور پر تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ یا اللہ طبیعت ٹھیک نہیں ہے بیماری ہے، فرمایا اے میرے محبوب! میرے کلیم! فلاں درخت کے پتے کھالو، چنانچہ جڑی بوٹی استعمال کی ٹھیک ہو گئے کچھ عرصہ گذرا کہ پھر وہی تکلیف ہوئی اب پھر موسیٰ علیہ السلام گئے اور وہی جڑی بوٹی (ہربل میڈی سین) استعمال کی، تو اب کوئی فرق نہیں پڑ رہا پھر کوہ طور پر جانا ہوا تو عرض کیا یا اللہ وہ پتے تو استعمال کر رہا ہوں کوئی فرق نہیں پڑ رہا تو فرمایا کہ ہمارے کلیم! ان پتوں میں شفا نہیں تھی ہم نے اس وقت ان پتوں میں شفا رکھ دی تھی شفا دینے والے تو ہم ہیں، ہم جہاں چاہیں رکھ دیں اور واقعی کئی مرتبہ انسان دودھ پی کر موٹا ہوتا ہے اور کئی مرتبہ دودھ پی کر مر رہا ہوتا ہے، دودھ پیا فوڈ پوئیزن ہو گیا، بندے کی موت آگئی، وہی دودھ جب اللہ چاہتے ہیں تو صحت کے ملنے کا سبب ہوتا ہے اور جب اللہ چاہتے ہیں وہی بندے کی موت کا سبب ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ تو برتن ہوئے برتن میں پانی ڈال دو یا برتن میں شربت ڈال دو، یہ تو ڈالنے والے پر منحصر ہے، اسی طرح خیر ڈالنا، شر ڈالنا، نفع ڈالنا، نقصان ڈالنا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے اور باقی سب تو اسباب ہیں، اللہ تعالیٰ جب چاہتے ہیں تو نفع کے نقشے میں سے نقصان نکال دیتے ہیں اور جب چاہتے ہیں تو نقصان کے نقشہ میں بندے کے لئے نفع نکال دیتے ہیں، پکی بات ہے

ذاتی تجربہ

ہم نے خود اس کو ایک مرتبہ آزمایا، ہمارا اپنا کھیتی باڑی کا کچھ کام ہے تو اس میں سبزی وغیرہ لگتی ہیں لوگ ہیں جو کام کرتے ہیں ان کو کوئی آٹھ ایکڑ زمین میں (ککڑی) لگانا تھا اسمیں سے چھ ایکڑ زمین بالکل تیار تھی مگر دو ایکڑ زمین کے اوپر چاول لگے ہوئے تھے اور چاول کی کھیتی میں پانی زمین میں کھڑا رکھنا پڑتا ہے تو جب فصل کاٹی جاتی ہے تو اگلی فصل کاشت کرنے کے لئے زمین جلدی خشک نہیں ہوتی، انتظار کرنا پڑتا ہے چنانچہ انہوں نے چھ ایکڑ میں تو کیوکمبر (ککڑی) لگا دی دو ایکڑ میں نہیں لگائے، دعائیں مانگ رہے ہیں اوپر سے موسم ٹھنڈا ہو گیا پانی خشک ہی نہیں ہو رہا اور پانی بھی ماشاء اللہ کیونکہ چار، پانچ انچ بھرا رکھتے ہیں تو اس کا اس پوزیشن میں آنا کہ جس میں نیا پودا ٹرانس پلانٹ کریں وہ مشکل تھا اور اگر پانی کی اس کیفیت میں اگر پودے لگا دیں تو اس کی جڑیں مر جاتی ہیں اب کام کرنے والے بار بار میرے پاس آتے کہ ہم نے آٹھ ایکڑ لگانا تھا چھ ایکڑ لگایا اور دو ایکڑ تو ہم لگا ہی نہیں پا رہے لگتا ہے کہ ہم شاید سیزن میں دو ایکڑ کا فائدہ نہیں لے سکیں گے ہم نے کہا بھئی کوشش کرو انہوں نے بڑی کوشش کی، خیر کوئی دس بیس دن لیٹ ہو گئے جب تھوڑی زمین ٹھیک ہوئی تو انہوں نے ہمت کر کے اس کے اندر پودے لگا دئے لیکن پودے بڑھ ہی نہیں رہے تھے وہ جیسے تھے وہ ویسے ہی رہے، اب سب پریشان ہیں ماہرین کو بلا رہے ہیں ان سے پوچھ کر رہے ہیں خود کتابیں پڑھ رہے ہیں سمجھ میں کچھ نہیں آتا جو چھ ایکڑ تھے وہ پودے ایسے بڑھ رہے تھے جیسے ان کو کوئی نشہ ہو، ان کے پھول آنے شروع ہو گئے ان کے پھل آنے شروع ہو گئے اس کو دیکھ کر بندہ حیران ہوتا تھا کہ اللہ نے کیسی بہترین فصل دی اور دو ایکڑ کے پودے ویسے ہی نظر آتے تھے جیسے لگائے تھے بس کھڑے ہیں، یا اللہ کیا کریں اب نہ تو اس کو پانی دے سکیں کہ پہلے سے پانی بہت ہے اور جب پانی نہیں دے سکتے تو کھاد بھی نہیں دے سکتے کہ بڑھے، عاجز آگئے میں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ بھئی آپ لوگ کیوں اسکی

وجہ سے پریشان ہیں اللہ پر چھوڑ دو اگر اللہ نے نصیب میں یہاں سے کچھ لکھا ہے تو دیدیں گے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے بندہ پریشان وہاں ہو جہاں اپنے اختیار میں سستی کرے وہاں پریشان ہونے کی بات ہے جہاں اختیار ہی نہیں چلتا کیا پریشان ہونے کی بات ہے، خیر بچے ریلکس ہو گئے ہم نے ذہن ہی بنالیا کہ بھئی ہم نے آٹھ ایکڑ کی بجائے چھ ایکڑ بویا، چھ ایکڑ کو دیکھ کر دل خوش ہو جاتا، اللہ کی شان دیکھیں کہ جب وہ چھ ایکڑ کی فصل خوبصورت بہترین تیار ہوگئی کہ دیکھنے والوں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی تھیں عین اسوقت جب کہ اس کو نکال کر مارکیٹ میں بھیجنا تھا اس کا ریٹ اوپر سے نیچے آگیا پہلے کیوکمبر بک رہے تھے چالیس روپے کلو فرض کرو اب ان کی قیمت ہوگئی دو روپے کلو سب پریشان بوریوں کی بوریاں بھر کر جا رہی ہیں اور اس کا ریٹرن کچھ بھی نہیں اتنا بھی ریٹرن نہیں کہ خرچہ پورا ہو سکے لوگوں کی تنخواہیں، فرٹیلائزر، پانی کا بل، خرچہ ہی نہیں نکلا، بچے پھر پریشان کہ جی یہ کیا بنا ہم نے کہا کہ بھئی یہ تو رزق کی بات ہے آپ فکر مت کرو آپ نے اپنی محنت کی، مطمئن رہو چھ ایکڑ سے یوں سمجھ لیں بمشکل ہمیں پچاس فیصد خرچہ ملا جو ہم نے اس پر کیا تھا گویا ہمارا خرچہ بھی آدھا نقصان میں، اللہ کی شان دیکھیں کہ وہ ریٹ نیچا رہا نیچا رہا ایک مہینہ لگ گیا اور جب ریٹ تھوڑا اوپر آنے لگا تو وہ پودے جو دو ایکڑ کے کھڑے ہوئے تھے انہوں نے بڑھنا شروع کر دیا اب ہم ان کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں اس پر پھول آ رہے ہیں اس پر پھل آ رہے ہیں اور اللہ کی شان کہ جب دو ایکڑ کا پھل مارکیٹ میں جانے لگا دو روپے کی بجائے ساٹھ روپے اس کا ریٹ ہو گیا تھا دو ایکڑ نے ہمیں دس ایکڑ سے زیادہ ریٹرن دیا تو میں نے پھر دوستوں کو وہاں کھڑے ہو کر یہ بات سمجھائی کہ دیکھو اللہ تعالیٰ چاہتے ہیں تو نفع کے نقشوں میں سے تمہارے لئے نقصان نکال دیتے ہیں اور نقصان کے نقشوں میں سے تمہارے لئے نفع نکال دیتے ہیں، نفع اور نقصان اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

7

وقت کے نبی کی تعلیم

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا ﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى﴾ تو پوچھنے کا خاص مقصد تھا اللہ تعالیٰ کو تو معلوم ہے کہ یہ کیا ہے وہ تو اس چیز کے خالق ہیں ہر چیز کو جانتے ہیں مگر پوچھا اسلئے کہ ان سے کہلوانا مقصد تھا کہ آپ کے دائیں ہاتھ میں کیا ہے ذرا بتائیں ﴿قَالَ هِيَ عَصَايَ﴾ یہ عصا ہے ﴿اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ﴾ بکریاں ہانکتا ہوں ﴿وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى﴾ اللہ بڑے فائدے ہیں اس میں میرے لئے، تو یہ کہلوا دیا کہ اس میں تمہارے لئے بڑے فائدے ہیں جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہہ دیا کہ بڑے فائدے ہیں تو فرمایا ﴿قَالَ اَلْقِهَا يٰمُوْسٰى﴾ اے ہمارے پیارے کلیم! ذرا اس کو زمین پر ڈال دو ﴿فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعٰى﴾ وہ تو اژدھا بن گیا جب اژدھا بن گیا تو ﴿فَاَوْجَسَ فِيْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى﴾ اب موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں خوف کھا رہے ہیں کیا مصیبت ہے یہ کیا بن گیا اللہ نے فرمایا ﴿قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ﴾ موسیٰ علیہ السلام اس کو آپ اٹھا لیجئے ڈریئے نہیں ﴿سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى﴾ پہلے والی اس کو سیرت دیدیں گے، چنانچہ ہاتھ لگایا تو پھر عصا بن گیا یہاں اللہ رب العزت نے ایک بات کی تعلیم دی کہ میرے پیارے کلیم! آپ کہہ رہے تھے کہ بڑے نفع والی چیز ہے ہمارے حکم سے زمین پر ڈالا تو نقصان دینے والی بن گئی اور آپ تو نقصان والی چیز سے گھبرا کر بھاگ رہے تھے، ہمارے حکم سے ہاتھ لگایا تو نفع والی بن گئی تو نفع اور نقصان ہمارے ہاتھ میں ہے اللہ رب العزت نے ایک سبق دینا تھا ایک بات دکھانی تھی کہ ہم آپ کو ایک عظیم کام کے لئے بھیج رہے ہیں آپ کیوں گھبراتے ہیں کہ وہاں فرعون بڑی مضبوط حکومت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے نفع نقصان کے مالک تو ہم ہیں تو اللہ رب العزت نے یہ بات اپنے

پیارے پیغمبر کو سمجھائی لہذا کل کائنات میں جو چیز نظر آرہی ہے یہ برتن ہیں اور ان برتنوں میں نفع کو رکھنا نقصان کو رکھنا عزت کو رکھنا ذلت کو رکھنا یہ اللہ کا اختیار ہے

سبب غم ہی سبب خوشی بنا

اگر آپ اللہ پر توکل رکھیں گے تو جو اسباب آپ کو غم کے نظر آرہے ہوں گے اللہ تعالی انہیں کو آپ کے لئے خوشی کا سبب بنا دیں گے، جو سبب آپ کو نقصان کا نظر آرہا ہوگا اللہ پر توکل رکھیں اللہ اسی سبب کو آپ کے لئے نفع کا سبب بنا دیں گے، اسکی دلیل قرآن عظیم الشان، سیدنا موسی موسی علیہ السلام کی والدہ اپنے بیٹے کو دریا میں ڈالتی ہیں، دل مغموم ہے دل بڑا پریشان ہے ﴿وَاَصۡبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوۡسٰی فٰرِغًا﴾ موسی علیہ السلام کی والدہ نے بڑے ٹوٹے دل مغموم دل کے ساتھ صبح کی، دل مغموم کیوں تھا؟ بیٹے کو پانی میں ڈالا تھا تو پانی سبب بنا تھا دل مغموم ہونے کا، مگر انہوں نے اللہ کے وعدے پر بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ رب العزت اگر چاہتے تو فرعون کو زمین میں دھنسا سکتے تھے جیسے قارون کو دھنسایا تھا مگر اللہ تعالی نے زمین میں نہیں دھنسایا بلکہ پانی میں ڈبویا کیوں کہ میری بندی تجھے غم ملا تھا اس پانی سے مگر تو نے ہم پر توکل کرلیا ہم نے تمہارے لئے اسی پانی کو خوشی کا سبب بنا دیا جہاں سے غم ملے گا میں وہیں سے تمہیں خوشی دوں گا غم اور خوشی میرے اختیار میں ہے۔

سبب صبر ہی سبب شکر بنا

حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کی جدائی سے بڑے مغموم ہیں ﴿وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوۡسُفَ﴾ بہت مغموم ہیں اتنے مغموم اتنا روئے کہ ﴿وَابۡيَضَّتۡ عَيۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ كَظِيۡمٌ﴾ آنکھیں سفید ہوگئیں بنائی چلی گئی، یعقوب علیہ السلام کی بنائی جانے کا سبب یہ بنا تھا کہ بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کا کرتہ لاکر دکھا دیا تھا ﴿وَجَآءُوۡۤ اَبَاهُمۡ عِشَآءً يَّبۡكُوۡنَ﴾ جھوٹ

موٹ کا خون لگا کر یوسف علیہ السلام کا کرتہ دکھا دیا کہ ﴿اَكَلَهُ الذِّئۡبُ﴾ تو کرتہ کو دیکھ کر یعقوب علیہ السلام کو غم ملا تھا اور اتنا غم ہوا کہ پھر آنکھیں سفید ہوگئی، بینائی چلی گئی، اب جب یہ سارا واقعہ مکمل ہوگیا تو بھائیوں نے معافی مانگ لی اور بتا دیا کہ والد تو آپ کی یاد میں رو رو کر نابینا ہو چکے تو حضرت یوسف علیہ السلام کہہ سکتے تھے کہ میں دعا کرتا ہوں مگر انہوں نے یہ نہیں کہا بلکہ انہو نے کہا کہ ﴿اِذۡهَبُوۡا بِقَمِيۡصِىۡ هٰذَا﴾ میرا یہ کرتہ لے کر جاؤ، کیوں کرتہ بھجوایا؟ اسلئے کہ اللہ رب العزت چاہتے تھے اے میرے یعقوب علیہ السلام! جس چیز سے آپ کو غم ملا ﴿فَصَبۡرٌ جَمِيۡلٌ﴾ آپ نے جب صبر جمیل کرلیا تو میں اسی چیز سے آپ کو شفا عطا فرماؤں گا کرتہ ہی آئے گا آپ انکھوں پر پھیریں گے آپ کی بینائی واپس آجائے گی، تو یہ دستور سمجھ لیں شریعت کے اوپر پکے ہو جائیں، جو سبب آپ کو ذلت کا نظر آرہا ہے اللہ اسی سے عزت عطا فرمائیں گے، جو سبب آپکو اپنے غم کا نظر آرہا ہے اللہ اسی سبب سے خوشی عطا فرمائیں گے، غم، خوشی، نفع، نقصان یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے۔

یہ جو سبق ہے گیارہواں اسمیں سالک تجلیات افعال کا فیض اپنے قلب پر لیتا ہے اور ان تجلیات کا فیض ملنے سے سالک کے اندر یہ یقین پختہ ہو جاتا ہے کہ فاعل حقیقی اللہ رب العزت کی ذات ہے اسکو کوئی دوسرا فاعل نظر ہی نہیں آتا اسکے دل میں یہ یقین بیٹھ جاتا ہے اللہ سب کچھ کر سکتے ہیں چیزوں کے بغیر اور چیزیں کچھ نہیں کرسکتیں اللہ کے بغیر چنانچہ اس سبق کے اوپر سالک کو وہ کیفیت مل جاتی ہے جس کا ہم دعوت وتبلیغ کے اندر بول بولتے ہیں کہ یہ ایمان بناؤ اللہ سب کچھ کر سکتے ہیں چیزوں کے بغیر، چیزیں کچھ نہیں کر سکتی اللہ کے بغیر، نفع کے نقشوں میں سے اللہ نقصان نکالتے ہیں نقصان کے نقشوں میں سے اللہ نفع نکال سکتے ہیں یہ جو بڑا بول ہے ایمان کے کمال کا اس ذکر کے راستے میں وہ انسان کو لطیفہ قلب کے سبق پر مل سکتا ہے جب پہلے سبق پر یہ کیفیت ہے

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

آپ یہ سوچیں انتہائی سبق کے اوپر انسان کے ایمان اور یقین کی کیا کیفیت ہوگی ،تو پہلے سبق پر یہ کیفیت مل رہی ہے اگر مکمل ہوتا ہے تو جو اسباق پینتیس بنائے گئے ہیں تو پھران پینتیس پر بندے کے یقین اور ایمان کی کیا کیفیت ہوسکتی ہے، چنانچہ جو سالک یہ سبق کرتا ہے تو اس کا اثر اسکے اوپر یہ ہوتا ہے کہ مخلوق سے اس کی نگاہ ہٹ جاتی ہے خالق کے اوپر اس کی نظر جم جاتی ہے، خالق ہی کو وہ ہر کام کا فاعل سمجھتا ہے۔

ایک سوال

اب یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایک بندہ لطیفہ قلب کے موقع پر واپس آ رہا تھا سیر من اللہ کے ساتھ اور عالم امر میں رک گیا تو اس کی بھی توجہ اللہ کی طرف ہوتی ہے حالانکہ وہ پہلے سبق پر تھا اور یہ گیارہویں سبق والے کی بھی توجہ اللہ کی طرف ہوتی ہے تو فرق کیا ہوا؟ کہ پہلے سبق میں بھی اسکو عروج ہوا تھا پھر نزول میں وہ اٹک گیا راستے میں تو عالم امر میں رہ گیا اب توجہ اللہ کی طرف ہے اسباب کی طرف ہے ہی نہیں ،اور گیارہویں سبق میں بھی آپ آ کر وہی کہانی سنا رہے ہیں کہ جی اللہ کی طرف نظر اٹھ جاتی ہے جم جاتی ہے اور مخلوق سے نظر ہٹ جاتی ہے تو فرق کیا ہوا؟

فرق یہ ہے کہ یہ جو بندہ جو گیارہواں سبق کر رہا ہے یہ عالم اسباب میں آ چکا اس کی ظاہری زندگی اسباب کے مطابق ہوگی باطن کی نظر اللہ کے اوپر ہوگی ،جبکہ وہ پہلا جو بندہ تھا اسکا ظاہر اور اسکا باطن دونوں مغلوب الحال بندے والے ہوں گے، سب مخلوق سے ہٹا کٹا ہوگا، دونوں میں یہ فرق ہے تو اس سبق میں سالک کی توجہ اللہ کی طرف (بسبب کمال) ہوتی ہے۔

گارہویں سبق کی برکات

...... جب بندہ ہر کام کے پیچھے سمجھتا ہے کہ اللہ نے کیا تو اس بندے پر کچھ اثرات مرتب ہوتے ہیں کہ مخلوق سے امیدیں بندے کی ختم ہوجاتی ہیں اور ساری امیدوں کا منتہا اور مرکز اللہ بن جاتا ہے، مخلوق پہ امید ہی نہیں رہتی وہ سمجھتا ہے کرنا تو سب اسی ذات نے ہے۔

...... دوسری بات یہ کہ مخلوق سے گلا ختم ہوجاتا ہے، اگر کوئی بندہ گالیاں دے رہا ہے کہتا ہے، یہ نہیں دے رہا وہ دلوا رہا ہے، جیسے کتے کو اگر کوئی پتھر مارے تو وہ پتھر کے پیچھے نہیں بھاگتا بندے کے پیچھے بھاگتا ہے اس کتے کو بھی پتہ ہے کہ یہ تو بے جان پتھر ہے جو اسنے پھینکا ہے اصل تو پھینکنے والا ہے تو وہ اس کے پیچھے بھاگتا ہے، بالکل یہی حال سالک کا ہوتا ہے کہ کوئی بندہ آ کر اسکو ذلیل کرے بے عزت کرے تو وہ اس بندے سے خفا نہیں ہوتا وہ سمجھتا ہے یہ پتھر کی طرح ہے اصل تو کوئی اور ہے جو بھیج کر مجھے ذلیل کروایا گیا ہے، اسکی نظر اللہ پر جاتی ہے ،تو مخلوق سے اسکو کوئی شکایت ہی نہیں رہتی۔

......اور اگر اسکی کوئی تعریفیں کرتا ہے تو وہ پھولتا نہیں اس لئے نہیں پھولتا کہ یہ جانتا ہے کہ یہ تعریف نہیں کر رہا اللہ تعالی اس کی زبان سے کروا رہے ہیں جب یہ کیفیت ہوجاتی ہے تو اسکو صوفیا کی اصطلاح میں میں یوں کہتے ہیں کہ اس سبق کی کیفیات کو پورا کرنے پر سالک کی نظر میں مخلوق کی مدح اور ذم برابر ہوجاتی ہے ،کوئی تعریفیں کرے تو بندہ پھولتا نہیں کوئی برائی کرے تو بندہ پریشان نہیں ہوتا، اب دیکھیں کہ جب مدح اور ذم برابر ہیں تو ایسے بزرگوں کے منہ سے کبھی آپ کسی کی غیبت نہیں سنیں گے؟ جب انکے ذہن میں ہی نہیں ہے کہ اس نے یہ کیا تو وہ کیوں اس کی غیبت کریں گے، اسلئے اس سبق کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک تو بندوں سے شکوے ختم ہوجاتے ہیں، بندوں سے امیدیں ختم ہوجاتی ہیں اور دوسرا بندوں کی مدح اور ذم برابر ہوجاتی ہے

......اور بندے کی زبان پہ مخلوق کی غیبت کبھی نہیں آتی، جو مرضی کوئی کرتا رہے

ہمارے مشائخ کو آپ نے دیکھا کیا کیا لوگ کردیتے ہیں ظلم زیادتیاں برائیاں کبھی تذکرہ ہی نہیں کرتے زبان سے اسلئے کہ وہ یہ سمجھ رہے ہوتے کہ اس نے کچھ نہیں کیا اس پروردگار نے کروایا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ

چنانچہ ایک بزرگ تھے ان کے بیٹے کی شادی تھی اور بارات تیار تھی اور یہ اپنے گھر میں کوئی چیز تلاش کرتے پھر رہے تھے تو بیوی نے کہا کیا تلاش کر رہے ہو باہر بارات تیار کھڑی ہے، کہنے لگے اللہ نے مجھے الہام کیا ہے اور میں اپنے بیٹے کے لئے کفن ڈھونڈ رہا ہوں، کہنے لگی یہ کیا بات کر رہے ہو فرمایا ہاں ہاں ابھی الہام ہوا ہے کہ بچے کے کفن کو تیار کرو تو میں اسکا کفن ڈھونڈ رہا ہوں، انہوں نے کہا کیوں کہ ابھی مجھے الہام ہوا ہے ابھی میاں بیوی بات کر رہے تھے کہ باہر سے ایک لڑکا بھاگا ہوا آیا کہ جی دلہا گھوڑے پر چڑھنے لگا تھا پاؤں پھسلا گردن کے بل گرا موت آ گئی اللہ کی رضا پہ ایسا بندہ راضی ہو جاتا ہے کہ گھر کے اندر بچے کی بارات کی خوشیاں منائی جا رہی ہیں اور ان خوشیوں کے عالم میں یہ بچے کا کفن ڈھونڈتے پھر رہے ہیں اللہ کی رضا پہ اتنے راضی، تو اس سبق کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ بندہ جب ہر چیز وکو اللہ کی طرف سے سمجھتا ہے تو پھر اللہ کی رضا میں راضی ہو جاتا ہے، لہذا خوشی کے عالم میں اسکو پریشانی نہیں ہوتی اور غم کے عالم میں اس کو پریشانی نہیں ہوتی، نہ خوشی اس کو شریعت سے باہر کر دیتی ہے نہ غم اس کو شریعت سے باہر کرتا ہے، واہ میرے مولی! سالک کو کیسا ایمان ملتا ہے، چنانچہ ایسا بندہ شیطان بدبخت کے ہتھکنڈوں سے بھی محفوظ ہو جاتا ہے۔

فنائے قلبی والے ایک بزرگ

چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں فرماتے ہیں ایک بزرگ تھے انہیں شیطان نظر آیا یہ بدبخت بڑا ہی دبلا پتلا ہو گیا تھا اور بڑے جال

کندھے پہ اٹھائے ہوئے جا رہا تھا بزرگ نے پوچھا کہ بھئی کیا ہوا بڑے دبلے پتلے ہو گئے اور جال بھی بڑے لئے جا رہے ہو اس نے کہا کچھ لوگ ایسے ہیں کہ میرے اتنے جال بھی ان پر کام نہیں کرتے وہ میرے اختیار میں ہی نہیں آتے اسی غم میں گھل کر کمزور ہو گیا ہوں، بزرگ نے پوچھا کون ہیں وہ لوگ جن پر تیرا داؤ نہیں چلتا؟ کہنے لگا دیکھنا ہے؟ فرمایا ہاں، تو ساتھ ہی ایک گھر تھا اور اس میں ایک بزرگ تھے جو کھڈی پہ کپڑا بنتے تھے جو کپڑا بناتے ہیں ان کی مشین پر لمبے لمبے دھاگے ہوتے ہیں اور دھاگے سے کپڑا بنتے ہیں، تو وہ بزرگ بیٹھے کپڑا بن رہے ہیں کھڈی چلا رہے ہیں، اب یہ شیطان جو تھا گدھے کی شکل میں آیا اور دوڑتا بھاگتا ہوا لات جو ماری تو ان کے سارے دھاگے توڑ دیئے جب اس نے دھاگے توڑ دیئے تو وہ بزرگ اٹھے اور آئے بسم اللہ پڑھتے اور دھاگا جوڑ دیتے بسم اللہ پڑھتے دھاگا جوڑ دیتے، نہ گدھے پہ غصہ کیا نہ گدھے کو مارا نہ گدھے کے پیچھے بھاگے، سارے دھاگے آ کر جوڑ دیئے اور پھر کھڈی بننی شروع کر دی، تھوڑی دیر کے بعد یہ پھر گیا اور اس نے جا کر پھر سارے دھاگے توڑ دیئے وہ پھر اٹھے اور اٹھکر پھر بسم اللہ پڑھتے دھاگا جوڑ دیتے، نہ گدھے کو گالی نکالی نہ گدھے کے پیچھے بھاگے نہ گدھے کے مالک کو پوچھا نہ کوئی بہت پریشان ہونے کا اظہار کیا پھر اپنا کام شروع کر دیا شیطان نے کہا دیکھو یہ وہ لوگ ہیں کہ میں ان کو اشتعال دلانا چاہتا ہوں یہ اشتعال میں نہیں آتے کوئی بات زبان سے نکالتے ہی نہیں ہیں یہ ہیں جن کے اوپر میرا کوئی داؤ نہیں چلتا،

یہ واقعہ لکھنے کے بعد امام ربانی مجدد الف ثانیؒ آگے فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ ان بزرگ کو فنائے قلبی حاصل ہو چکی تھی، یعنی پہلا سبق حاصل ہو چکا تھا اور کیونکہ وہ فاعل حقیقی اللہ کی ذات کو سمجھتے تھے تو گدھا اگر دھاگا توڑ جاتا تھا تو یہ سمجھتے تھے گدھے نے نہیں توڑا انہوں نے تڑوایا ہے، یہ ایمان ہمارے بزرگوں کو حاصل تھا اسی لئے ان کو کوئی آ کر کہتا تھا آپ کافر ہیں آپ حرام زادے ہیں،

ان کو غصہ ہی نہیں آتا تھا، پہلے ہمیں یہ باتیں ان ہونی سی لگتی تھیں کہ یہ کیا پلاسٹیک کے بنے ہوئے تھے کہ متاثر ہی نہیں ہوتے تھے کوئی ان پر گالیوں سے بھرا رقعہ بھیجتا وہ رقعہ کو پڑھ کر یہ سوچتے تھے بھیج دیا ہے اس محبوب نے کسی کو جو ہمیں یہ سنا رہا ہے ٹھیک ہے سن لیتے ہیں۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقا پر ناز کرتی ہے مسلمانی
اگر جلوت میں بیٹھے ہوں تو خلوت کے مزے آئیں
جو آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

یہ ایمان اس پہلے سبق پر مل جاتا ہے آپ سوچئے یہ ابھی پہلا قدم ہے اس سلوک کا تو جس سلوک کا پہلا قدم یہ ہے تو اس سلوک کا پھر آخری قدم کیا ہوگا اسلئے ہمیں چاہئے کہ ہم طالب بن کر اس ایمان کو حاصل کرنے کی نیت سے کہ اللہ ہمیں بھی کوئی ایمان کی لذت مل جائے اور ہم بھی اس ایمان کے ساتھ آپ کی عبادت کر سکیں آپ مہربانی فرما کر ہمیں یہ اپنی نعمتیں عطا فرما دیجئے تاکہ بندگی کا کچھ ہم بھی مزہ پالیں ورنہ پھر جیسے آئیں ہیں ویسے ہی واپس چلے جائیں گے لہذا دعا مانگیں۔

دنیا میں آنا آسان صحیح معنوں میں انسان بن جانا بڑا مشکل کام، جو بنتا ہے یا بناتا ہے وہ پتہ پاتا ہے، تو یہ تجلیات افعالیہ کا سبق کرنے کے بعد اللہ رب العزت اپنے بندے کو یہ یقین، یہ ایمان، ہر چیز عطا فرما دیتے ہیں اور اگلے اسباق کی کیفیات اس سے الگ ہیں کیونکہ تجلیات الگ ہیں تو اب سوچئے کہ ہر ہر سبق کی اگر تجلیات کا وہ سبق پورا ہو جائے تو بندے کو کیا کچھ مل سکتا ہے،

اب یہ سبق عبور کرنے سے جو تجلیات ملیں گی وہ بغیر کسی محنت کے تو نہیں مل سکتیں، تو جو برکت کے لئے بیعت ہو جاتے ہیں اور برکت کے لئے پرچہ لکھ کر دیدیتے ہیں تو پھر وہ نام کی تو آگے نسبت چل پڑتی ہے لیکن اندر نعمت تو کوئی

نہیں نا، اسلئے ہمارے سلوک میں سالک کو ان اسباق سے عبور کرواتے ہیں، ہم نے کبھی اپنے مشائخ سے نہیں سنا کہ بھئی دس بارہ سال سے رابطہ بھی کوئی نہیں اور خط کے ذریعہ کسی کو کہہ دیا کہ جی ہاں آپ اس سلسلہ کو آگے شروع کر دیں، اس کا تصور ہی نہیں، جو آتا ہے آئے محنت کرے کھپائے بیٹھے جب تک عبور نہیں کرے گا ان مقامات کو وہاں تک کام نہیں بنتا، اسلئے شیخ کی صحبت میں رہنا اب کتنا ضروری ہوا، اب بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس شیخ کی صحبت میں رہ کر یہ ایمان بندے کو مل سکتا ہے لہذا شیخ کی صحبت میں رہنا کتنا ضروری ہے، اور پھر اس شیخ کا احسان کتنا ہوتا ہے کہ جو اس ایمان کے ملنے کا سبب بنتا ہے۔

دو باتیں

دو باتیں خاص طور پر اس موقعہ پر سمجھانی ہیں۔

(۱)......ایک تو یہ کہ ہمارے بزرگوں نے تصوف کو کبھی بھی علمی رنگ میں پیش نہیں کیا یہ کوئی کورس نہیں ہے کہ آؤ بھئی کورس کروا دیں چھٹی ہو جائے گی، یہ قال نہیں یہ حال ہے اس لئے ایسا کبھی بھی نہیں ہوتا مجبوری تھی کہ بعض دوست ہمارے باہر ملک سے تھے، ملاقات مشکل تھی قدرت نے ملا دیا تھا اور یہی موقع تھا تو سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ان کو باتیں کب ہم سمجھائیں گے کب بتائیں گے تو ان کو سامنے رکھتے ہوئے پھر ہم نے کہا کہ چلو ان کو کچھ باتیں سمجھا دیتے ہیں ان مذاکروں سے اتنا کم ازکم اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ کرنے والا کام ہے اور اسکے کرنے سے انسان کو کیا نعمت ملتی ہے اور پھر انسان کی زندگی کیسی ہو جاتی ہے یہ سودا آپ کو کسی اور دوکان سے نہیں ملے گا یہ انہیں خانقاہوں سے ملے گا یہ خانقاہوں میں بکتا ہے انہیں دوکانوں سے ملتا ہے اس کی مارکیٹ دنیا میں کوئی نہیں ہے نہ مدارس سے ملے گا نہ کہیں اور سے ملے گا اسی سودے کو لینے کے لئے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ انہوں نے بخاری شریف بھی پڑھ لی صحاح ستہ

بھی پڑھ لیا اتنا علم حاصل کر لیا لیکن اس سودے کو لینے کے لئے پھر حاجی صاحب کے پاس آنا پڑا اسلئے آئے تھے مسئلے پوچھنے ہوتے تو حاجی صاحب خود ان سے پوچھتے اسباطنی دولت کو لینے کی بات تھی اس لئے وہ حاجی صاحب کے پاس آئے کہ حضرت آپ ہمیں یہ چیز دکھا دیجئے سمجھا دیجئے، بہر حال اب آپ کو کم از کم یہ بات ضرور سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ یہ جو بار بار کہتے ہیں کہ بھئی اپنے معمولات کریں اپنے معمولات کریں تو مراقبہ میں بیٹھنا کتنا ضروری ہے اور ہمیں آگے سے جواب ملتا ہے کہ جی میں دو منٹ کرتا ہوں اور پانچ منٹ کرتا ہوں تو کیا دو منٹ اور پانچ منٹ میں یہ ایمان مل جائے گا، محنت کرنی پڑتی ہے گھنٹوں مراقبہ کریں ڈٹ کر مراقبہ کریں جتنا وقت ملتا ہے اتنا وقت مراقبہ کریں یہ کیفیت ہو کہ

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن
بیٹھے رہیں تصور جاناں کئے ہوئے

بس ایسی کیفیت ہو بندے کی جب اس طرح جم کر مراقبہ کریں گے پھر یہ نعمتیں آپ کو حاصل ہوں گی پھر اس کی اہمیت کا پتہ بھی چلے گا بہر حال دعا ہے اللہ رب العزت ہمیں یہ حال بھی عطا فرما دے تاکہ ہم ان کیفیات کے ساتھ زندگی گذاریں اور اپنے مالک کو خوش کر سکیں اس کی رضا کو پا سکیں۔

(۲)......دوسری بات یہ کہنی تھی کہ کہیں کہیں بات کے دوران سمجھانے کے لئے یہ عاجز تذکرہ بھی کرتا رہا کہ ہمارے سلوک میں ایسا ہے اور دوسرے سلوک میں ایسا ہے مگر آپ یہ ذہن میں رکھنا کہ جتنے بھی مشائخ ہیں مختلف سلوک کے وہ تمام کاملین ہیں ہر ہر سلسلہ میں کاملین موجود ہیں تو کبھی بھی تقابل نہ کرنا یہ کبھی بھی غلطی نہ کرنا کہ جی ہمارے بزرگ بڑے ہیں، نہیں، آپ کو کیا پتہ کس سلسلہ کے کونسے بزرگ اللہ کے کتنے مقرب گذرے ہیں، یہ تمام سلاسل ہی مقربان بارگاہ الٰہی ہیں، تو اسلئے کبھی بھی الفاظ ایسے نہ کہہ دینا کہ جی یہاں جو ہے وہاں نہیں، کیا معلوم آپ کو کہ وہاں رہتے ہوئے ان بزرگوں کو اللہ نے کیا کیا نعمتیں عطا

فرمائیں، اپنا کیا قرب عطا فرما دیا، کیسے بڑے بڑے مشائخ پہاڑ جیسی شخصیتیں ان کے اندر موجود ہیں لہذا کبھی بھی مشائخ کے بارے میں ایسی بات نہ کہیں، ہمیشہ یہ سوچیں میں بہت چھوٹا ہوں میری زبان کو زیب ہی نہیں دیتا کہ میں بزرگوں کے بارے میں کومنٹ کروں وہ اللہ کے مقبول بندے تھے، جیسے ایک پرائمری اسکول کا اسٹوڈنٹ ہو اور وہ پی ایچ ڈی ڈاکٹر کی باتیں کر رہا ہو کہ یہ اچھے ڈاکٹر ہیں وہ اچھے نہیں ہیں، تو اس کو کیا کہیں گے تو ہماری مثال ایسی ہے کہ کچی پکی کے اسٹوڈنٹ ہیں اور ہم ان پی ایچ ڈی ڈگریز کے بارے میں بات کر رہے ہوتے ہیں، مشائخ کے بارے میں کبھی کچھ نہ کہنا تمام مشائخ سے محبت رکھیں، سارے مشائخ جو گذرے وہ کاملین ہیں اور وہ ہمارے ہی مشائخ ہیں دوسرے نہیں ہیں ہمارے ہی بڑے ہیں، میں کیوں کہہ رہا ہوں اسلئے کہ سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں تمام سلاسل کے مشائخ کے فیوضات شامل ہیں۔

امام ربانی کا قول

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے یہ بات خود لکھی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں فجر کے بعد اپنی مسجد میں بیٹھا ہوا تھا ایک بزرگ آئے جن کا نام تھا شاہ کمال کیتھلیؒ، کیتھل کے رہنے والے تھے انہوں نے آ کر مجھے ایک جبہ دیا اور کہا کہ یہ جبہ پہن لیجئے۔

پس منظر یہ تھا کہ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ایک مرتبہ جنگل میں مراقبہ کر رہے تھے کہ یک دم ایک نور ظاہر ہوا تو جب وہ متوجہ ہوئے تو ان کو بتایا گیا آپ سے کئی سو سال کے بعد ایک ایسا فرد فرید پیدا ہو گا کہ جو نبی علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرے گا اور شرک اور بدعت کو ختم کرے گا اور سنت کو وہ اپنے وقت میں جما دے گا تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو اس بات کی بڑی خوشی ہوئی چنانچہ انہوں نے اپنی جتنی بھی توجہات اور کمالات تھے ان کو اپنے ایک جبہ کے اندر

محلول کر دیا ڈال دیا اور اپنے بیٹے کے حوالے کیا اور کہا کہ بیٹے اس کو اپنے خاندان میں آگے چلاتے رہنا امانت کے طور پر اور جب وہ بزرگ دنیا میں آئیں تو میری طرف سے یہ ہدیہ اور تحفہ ان کو پیش کر دینا چنانچہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے دور میں جو قادریہ سلسلہ کے صاحب نسبت بزرگ تھے جولڑی میں آرہے تھے وہ شاہ کمال کیتھلیؒ تھے چنانچہ ان کو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی خواب میں زیارت ہوئی انہوں نے کہا کہ بھئی جو امانت بھیجی تھی ہم نے تو جن کے لئے بھیجی تھی وہ آگئے ہیں آپ ان کے حوالے کر دیں، انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ ایک نعمت چلی آرہی ہے اگر کچھ عرصہ ہماری ہی اولاد میں رہے تو کیا اچھا، تو چند دن اسی سوچ میں گذر گئے تو دوسری مرتبہ غصہ کی حالت میں خواب میں زیارت ہوئی تو انہوں نے فرمایا کہ اگر تم اپنی نسبت کی سلامتی چاہتے ہو تو امانت کو ﴿اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا﴾ جب ان کو یہ خواب آیا تو وہ اٹھے اور سفر کر کے سرہند پہنچے فجر کی نماز کے بعد کا وقت تھا تو انہوں نے اس وقت یہ جبہ حضرت کے سپرد کیا حضرت نے اس جبہ کو زیب تن کیا فرماتے ہیں کہ نقشبندیہ نسبت اور قادریہ نسبت کے درمیان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ غلبہ ہوا تو تھوڑی دیر کے لئے قادریہ نسبت غالب آئی اب عالم ارواح میں قادریہ سلسلہ کے بزرگوں کی ارواح اور نشقبندیہ سلسلے کے بزرگوں کی ارواح ان کا ایک دوسرے کے ساتھ مکالمہ ہوا نقشبندیہ سلسلے کے بزرگ فرماتے تھے کہ یہ سلوک سیکھا ہے باقی باللہؒ سے ہمارے سلسلہ کے یہ بزرگ ہیں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا کہ میں نے سینکڑوں سال پہلے نسبت ان کی طرف بھجوائی تھی آج وہ نسبت پہنچی تو میرا حق فائق ہے کہ یہ قادریہ سلسلہ کے بزرگ کہلائیں ابھی یہ مکالمہ ہو رہا تھا کہ چشتیہ سلسلے کی ارواح جو تھیں ان کا بھی وہاں ورود ہوا تو چشتیہ سلسلہ کے بزرگوں کی ارواح نے یہ دلیل دی کہ ان کے والد جو تھے وہ چشتیہ سلسلہ کے تھے اور ایک مرتبہ چشتیہ سلسلہ کے بزرگ ان کو ملنے کے لئے آئے تھے تو اس وقت یہ بچے تھے

تو والد نے برکت کے حصول کے لئے اپنے بچے کو ان بزرگ کی گود میں دیا تھا تو انہوں نے ان کے لئے دعا بھی کی تھی اور فرط محبت میں انہوں نے اپنی زبان ان کے منہ میں ڈال دی تھی تو اس بچے نے جب زبان کو چوسا تھا تو چشتیہ سلسلہ کی نسبت کا فیض ان کے قلب میں منتقل ہو گیا تھا اتنا کہ انہوں نے یوں کہا کہ بھائی کچھ تو ہماری اولاد کے لئے رہنے دو کچھ تو ہماری اولاد کے لئے رہنے دو تو انہوں نے کہا کہ بچپن سے چشتیہ نسبت منتقل ہو گئی تھی تو یہ تو چشتیہ سلسلہ کے بزرگ ہونے چاہئیں اسی طرح سہروردیہ سلسلہ تو چاروں سلاسل کے بزرگوں کی جو ارواح تھیں متمنی تھیں کہ یہ ہمارے سلسلہ کے بزرگ کہلائیں دلائل دیتے تھے،

چنانچہ معاملہ نبی علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا اور سب نے اپنے اپنے دلائل دیئے تو نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا سارے بزرگوں کو کہ آپ سارے اپنے اپنے سلسلہ کی جو نسبت ہے پہلے ان میں القاء کریں پھر میں فیصلہ کرتا ہوں چنانچہ قادریہ سلسلہ چشتیہ سلسلہ سہروردیہ سلسلہ اور نقشبندیہ سلسلہ سارے بزرگوں نے اپنے فیوضات القاء کئے اس کے بعد نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ چونکہ نقشبندیہ سلسلہ میں اتباع سنت کا اہتمام زیادہ ہے اور یہ نسبت دعوت و تبلیغ کے زیادہ مناسب ہے اسلئے یہ ظاہر میں نقشبند؟ یہ سلسلہ میں کام کریں گے مگر جتنا کام ان سے پھیلے گا ثواب کے امیدوار چاروں سلاسل کے بزرگ ہوں گے، چنانچہ یہ نقشبندیہ نسبت کہلاتی ہے، اب سمجھ میں بات آئی کہ امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے سولہ اسباق کو جو پینتیس بنایا تو کیا اضافہ ہوا

کئی دن سے ہمارے ایک دوست بحث کر رہے تھے کہ جی نقشبند بخاریؒ کے یہاں سولہ اسباق تھے تو پینتیس کیسے ہو گئے تو پینتیس ایسے ہو گئے تو اللہ رب العزت نے اس نسبت کو کامل کر دیا تمام بزرگوں کے کمالات کا جامع بنا دیا یہ شان جامع بن گئی یوں سمجھ لیں اب اس کی وجہ سے امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے پھر اسباق کو کھولا اور پینتیس تک بنا دیا چنانچہ یہ مجدد الف ثانی یعنی ہزار سال جو

تھے اسمیں جو فیض بھی امت میں ملے گا جس کے قلب میں جائے گا وہ نبی علیہ السلام کے قلب سے ہوتا ہوا امام ربانی کے قلب سے اس بندے کے قلب میں جائے گا اسلئے اس سلسلہ کے کام کا ثواب صرف نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگوں کو نہیں ملتا بلکہ چاروں سلاسل کے بزرگوں کو ملتا ہے اسلئے پھر امام ربانی مجدالف ثانیؒ نے اپنے مکتوب میں بڑی وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ امام مہدی جب آئیں گے وہ بھی اسی نسبت کے حامل ہوں گے باقاعدہ لکھا ہے ہمیں پہلے یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی لیکن اتنی بات تو سمجھ آتی تھی کہ وہ تشریف لائیں گے تو صاحب نسبت تو ہوں گے تو نسبت چاروں میں سے کوئی نہ کوئی ایک تو ہوگی چاروں میں سے جو بھی ہونی ہے یہ تو چاروں کا مجموعہ ہے تو اسلئے جو بندہ کسی پر اعتراض کر رہا ہے وہ اپنے پر اعتراض کر رہا ہے، یہاں یہ نہیں ہے کہ یہ سلسلہ وہ سلسلہ نہیں یہ تو سب سلسلوں کا فیض ہے یہاں ہمیں بھی اگر کچھ ملا ہے تو اسمیں تمام سلسلہ کے بزرگوں کا حصہ موجود ہے تو ہم کیوں یہ الفاظ کہیں، ہم یہ الفاظ نہیں کہہ سکتے کبھی مشائخ کا تقابل نہ کرنا کبھی سلسلہ کے اسباق کا اور اسکا تقابل نہ کرنا سمجھانے کے لئے چونکہ تھوڑے وقت میں مجھے سمجھانا تھا تو اسلئے مجھے کچھ آسان کرکے سمجھانے کے لئے بعض جگہ ایسی باتیں کہنی پڑیں مگر وہ سمجھانے کی نیت سے تھیں تو اب آپ ایک تو اس کو قال مت سمجھنا یہ حال ہے ہم نے جو یہ بات اس طرح بیٹھ کر کی یہ مجبوری میں کی یہ عذر تھا ہمارا، میں امید کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس عذر کو قبول فرمائیں گے اور دوسری بات یہ کہ مشائخ کے بارے میں ہمیشہ ادب اور احترام سے گفتگو کریں اور کبھی بھی ایک سلسلہ کو دوسرے پر فضیلت دینے والا کام نہ کریں ہم کچی پکی کے اسٹوڈینٹ ہیں ہمیں پی ایچ ڈی ڈاکٹروں کی باتیں کرنے کا زیب ہی نہیں دیتا، ہماری اوقات ہی نہیں ہے اتنی تو یہ چند باتیں ذرا آپ کو بتادیں اسکا تذکرہ کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ وہاں یہ ہوا اور یہ نہیں ہوا کیا ضرورت ہے کہنے کی بس اتنا کافی ہے کہ اللہ تعالی نے ہمیں چند وہ

باتیں جو پہلے نہیں سمجھ میں آتی تھیں اب اللہ تعالی نے ان کی سمجھ عطا فرمادی، اللہ تعالی خیر فرمائیں اور ہمیں یہ نعمتیں باقاعدہ ظاہر میں نصیب بھی فرمادیں۔

وآخر دعوانا عن الحمدلله رب العلمين

مستند رستے وہی مانے گئے
جن سے ہوکر تیرے دیوانے گئے
لوٹ آئے جتنے فرزانے گئے
تا بہ منزل صرف دیوانے گئے
آہ کو نسبت ہے کچھ عشاق سے
آہ نکلی اور پہچانے گئے